شیر محمد گریوال

شیر شاہ سوری — برّصغیر کا ایک عظیم حکمران

برّصغیر میں جن مسلمان حکمرانوں نے جہاں گیری و جہاں داری اور عدل گستری و رعایا پروری کے بھرپور مظاہرے کیے ہیں ان میں سلطان شیر شاہ سوری کا نام سرِفہرست ہے۔ اس کی بے مثال سیرت و کردار، اس کے عظیم ارادے اور شان دار سیاسی و عسکری منصوبے، اس کی حیران کن جنگی تدبیریں، اس کی تعجب خیز فوجی کامیابیاں، اس کے لاجواب رفاہی کارنامے اور انقلابی اصلاحات ہمارے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

شیر شاہ سوری کا اصل نام فرید خان تھا، اس کی زندگی کا آغاز ایک معمولی جاگیردار کے بیٹے کی حیثیت سے ہوا، لیکن وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر آہستہ آہستہ مغلوں کی سیاسی بساط اُلٹ کر ہندوستان کا حکمران بن گیا۔ اگرچہ اسے پانچ سال سے بھی کم عرصہ حکومت کرنے کا موقع ملا لیکن وہ اس قلیل مدت میں بہت سے شان دار کارنامے سرانجام دے گیا۔ بقول وی اے سمتھ، "اگر شیر شاہ کچھ دیر اور زندہ رہتا تو وہ اپنی سلطنت کو اتنا مضبوط بنا جاتا کہ عظیم مغلوں کو ہندوستان کی تاریخی سطح پر دوبارہ اُبھرنے کا موقع نہ ملتا۔" اس امر کا شدید احساس شاید خود شیر شاہ کو بھی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ "مجھے حکومت اس وقت ملی ہے جب کہ میری زندگی کی شام ہو چکی ہے۔"

شیر شاہ جتنا کام اپنی زندگی میں کر گیا، وہ اس سے کہیں زیادہ کرنے کا متمنی تھا۔ اگرچہ اس کی سلطنت کافی وسیع و عریض تھی۔ چٹا گانگ کی پہاڑیوں سے لے کر کابل اور غزنی تک اور کشمیر سے لے کر راجپوتانہ اور سندھ تک پھیلی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ باقی ہندوستان کو بھی اپنے تسلط میں لانا چاہتا تھا۔ وہ برّصغیر کے چپے چپے پر اپنا سیاسی

تسلط قائم کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ سلطنت کے ہر پرگنے میں قلعے تعمیر کرنا چاہتا
سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک عظیم ترین فوج کے قیام کا خواہاں تھا۔ وہ اپنے ہم
ترکی کے عثمانی حکمران سلیمان اعظم (۱۵۲۰ - ۱۵۶۶ء) سے برادرانہ سفارتی تعلقات
کرکے تحریک اتحادِ اسلامی کا آغاز کرنا چاہتا تھا اور پھر ارضِ مقدس حرمین شریف
تک روابط پیدا کرنے کی تمنا اس کے اندر کروٹ لے رہی تھی۔

قومی حمیت اور اسلامی غیرت، بہادری اور شجاعت، بردباری اور سخاوت، تد
ذہانت، مذہبی عشق اور دینی رواداری فرید خاں کے بڑے بڑے اوصاف ت
جن کی وجہ سے وہ شیر خان اور پھر شیر شاہ بنا۔ فرید خان نے موافق اور ناموافق
تلخ یا مفید تجربات دونوں سے بہت کچھ سیکھا اور اپنے اندر فنی صلاحیتیں پیدا ک
انتہائی خود اعتمادی، علم سے فوائد حاصل کرنے کی تڑپ، انتظامی امور میں لگن
پسندی، عسکری معاملات میں مہارت، ماحول اور وقت کے تجربوں سے اس میں پ
گئی تھی۔ اس نے سب سے پہلے مدرسہ جون پور کے ایک ہونہار اور ذہین طال
کی حیثیت سے نام پیدا کیا جون پور کو اس زمانے میں علم و ادب کے لحاظ سے "
ہند" کی حیثیت حاصل تھی۔ فرید خان نے جون پور کے اس مدرسے میں، جہ
مسندِ اہتمام و تدریس پر ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی متمکن رہ چ
فارسی کی گلستان اور بوستان اور سکندر نامہ تک درسی کتابیں پڑھیں۔ علاوہ ا
اس نے تاریخی اور اخلاقی کتب کا گہرا اور عمیق مطالعہ کیا۔ جون پور کے مدرسے میں
کا عرصہ تقریباً دس سال (۱۵۰۱-۱۵۱۱ء) بتایا جاتا ہے۔

گھر سے فرید خان ناراض ہو کر گیا تھا، میاں حسن، فرید کا باپ تھا، وہ اس کے
صلح صفائی کرکے واپس لے آیا اور اپنی جاگیر کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ فرید خان
اپنے باپ سے کہا کہ زرعی پیداوار میں اضافہ، رعایا کی خوش حالی اور امن و امان کا

دل و انصاف کے بغیر ناممکن ہے، انسانی صفات اور دینی اقدار میں عدل ہی سب سے اچھی صفت اور بہتر قدر ہے۔ عدل ہی میں ملکوں اور سلطنتوں کی بقا اور سالمیت کا راز مضمر ہے۔ ظلم ایک بدترین خصلت ہے۔ اس سے ملک اور قوم تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جاگیر میں ہمارے عزیز و اقارب ملازم ہیں لیکن وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرے گا اور ان کے بارے میں اپنے باپ کی سفارش بھی قبول نہیں کرے گا۔

فرید نے جاگیر کے صدر مقام پر پہنچ کر پٹواریوں، مقدموں، کاشت کاروں اور عام ملازموں کا ایک اجلاس بلایا، جس میں اس نے عدل و انصاف قائم کرنے اور ظلم و تعدی کی بیخ کنی کرنے کے سلسلے میں اپنے ارادوں کا اظہار کیا۔ پھر ہر ایک کو اس کے فرائض سمجھائے فرائض میں کوتاہی کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی۔ بعد ازاں زمین داروں کی طرف متوجہ ہوا، معقول سپاہ کے نہ ہونے کا عذر پیش ہوا۔ فرید نے اس کی پرواہ نہ کیے بغیر فوراً دو سو سوار کے جمع ہونے کا حکم دیا اور باقی زمین داروں کی گوشمالی کے لیے ان کے دیہات کا محاصرہ کر لیا۔ جنگلات کاٹ دیے گئے۔ محاصرہ تنگ ہوتا گیا، آخر کار زمین داروں نے معافی مانگی۔ کچہریوں میں باقاعدہ حاضری دینے کا وعدہ کیا اور واجبات کی ادائیگی ہونے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیر کے حالات بہت جلد سدھر گئے، پیداوار بڑھنے لگی اور رعایا خوش حال ہو گئی۔

فرید خان تقریباً آٹھ سال تک جاگیر کا منتظم رہا۔ یہ گویا اس کی تربیت گاہ تھی۔ یہاں اس نے جو تجربے حاصل کیے ان کو نئے حالات کے مطابق اپنے مختصر دورِ حکومت میں آزمایا۔ اس کے بعد ۱۵۱۸ء سے ۱۵۴۰ء تک اقتدار کی رسہ کشی میں مصروف رہا۔ اس دوران میں وہ ایک ذہین ترین جرنیل کی حیثیت سے ابھرا۔ چونسہ اور قنوج کی لڑائیوں میں اس کی کامیابیاں اس کے بہترین جرنیل ہونے کا ثبوت ہیں۔ ۱۵۴۰ سے ۱۵۴۵ء تک اس کی فتوحات کا زمانہ ہے۔ اس اثنا میں سلطنت کے استحکام کے لیے مفید اصلاحات

بھی کرتا رہا۔ بالخصوص، بنگال، بہار اور پنجاب کی سرزمین میں جب تک شیرپور، ش
شیر گنج ایسے دیہاتوں، قصبوں اور قلعوں کے نام اور دور دراز علاقوں میں چھوٹی
والے گہرے کنویں، جہلم کے کنارے قلعہ رہتاس ایسی عمارات اور شاہراہِ اعظم کے
موجود ہیں۔ شیر شاہ کو کم ان علاقوں میں عوامی سلطان کی حیثیت سے دیکھا جا

شیر شاہ بلاشبہ ایک عوامی سلطان تھا وہ پیدائشی طور پر عوام کا رہنما تھا، ا
کی خدمت اور حفاظت کو عین ثواب اور عبادت سمجھتا تھا، اس کا کہنا تھا کہ

ا۔ بادشاہوں کو رعیت کی راحت کے لیے اپنا آرام چھوڑ کر ہر وقت مس
آمادہ رہنا عین ثواب ہے۔

ب۔ بادشاہوں کا فرض ہے کہ رعیت کے جائز کاموں کو عبادت سمجھ کر ا

ج۔ اور رعیت کی قسمتوں کو غیر مہذب، خود غرض اور راشی عمال کے ہا
دینا ملک کو برباد کرنا ہے۔ مزید برآں خدا خوفی، تقویٰ، فسق و فجور سے نفرت
کی پابندی، بیدار مغزی، عیش و عشرت سے قطع تعلق، احوالِ رعیت سے پو
ارکانِ دولت کی کمل نگرانی، رشوت ستانی کے خلاف جہاد، خود غرض وزیروا
وکیلوں سے کنارہ کشی، شیر شاہ کی حکومت کے نمایاں خدوخال تھے۔ تمام آئین
اور تمام اصلاحات کی بنیاد یہی اصول تھے۔ حکومت کا سارا ڈھانچہ انہی اص
پر مرتب کیا گیا تھا۔

شیر شاہ نے سلطنتِ دہلی کی عنانِ اقتدار سنبھالتے ہی انتظامی اداروں میں
پیدا کیا۔ اپنی کڑی اور سخت نگرانی میں تمام شعبوں کو فعال بنایا۔ دیوانِ وزارت
مال)، دیوان رسالت (وزارتِ خارجہ)، دیوان انشا (وزارتِ داخلہ)، دیوانِ عا
(وزارتِ دفاع)، دیوانِ قضا (عدلیہ)، دیوان برید (محکمہ ڈاک)، مرکز کے چھ ب
انتظامی محکمے تھے۔ یہ سب براہِ راست سلطان شیر شاہ کی ذاتی نگرانی میں کام کر

ن تمام سیاسی طاقت کا مرکز تھا۔ وہ خود ہی وزیر اعظم تھا، خود ہی قاضی القضاۃ تھا۔
ی سپہ سالار اور خود ہی اکاؤنٹنٹ جنرل تھا۔ محکموں کے انچارج محض سکرٹریوں کی
ت رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں دو باتیں یاد رہنی چاہییں۔ جہاں تک ان انتظامی اداروں
ق ہے یہ سب کے سب پہلے سے قائم تھے۔ شیر شاہ کے ذہن کی پیداوار نہیں تھے۔
یر شاہ کا یہ کارنامہ ہے کہ ان کو دوبارہ موثر اور فعال بنایا۔ دوسرے اس بات سے
تمام سیاسی طاقت کا منبع تھا، یہ مطلب نہ لیا جائے کہ وہ ڈکٹیٹر یا آمر تھا۔ برصغیر
لمان حکمرانوں میں کوئی بھی آج کل کے معروف معنوں میں ڈکٹیٹر یا آمر نہ تھا۔ ہر حکمران
ت کے مطابق کام کرنے کا پابند تھا اور اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتا تھا۔
انوں کے نظم و نسق میں علما اور مشائخ کا وجود ایک ادارے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔
ور مشائخ حکمرانوں کو شریعت کے خلاف کام کرنے پر ٹوکتے رہتے تھے۔ امرا بھی ایک
ے کی حیثیت رکھتے تھے۔ کاروبارِ حکومت میں حکمرانوں کو امرا کا لحاظ بھی کرنا پڑتا
مزید برآں حکمرانوں کی من مانیاں کرنے سے عوام کی بغاوت کا بھی ڈر رہتا تھا۔ ان
ت میں مسلمان حکمران آمریت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے۔ شیر شاہ تو پابند شریعت
ن تھا، عوام کا سچا خادم اور عاشق۔ آمریت کی مطلق العنانیت کی اصطلاح کا استعمال
ے بارے میں جائز نہیں ہوگا۔ مسلم اور غیر مسلم سبھی مورخ اس کو مشفق و مہربان حکمران
م سے یاد کرتے ہیں۔ مشیروں اور وزیروں کو وہ زیادہ اختیارات اس لیے نہیں دیتا
تا تھا کہ وہ مغلوں کے دربار کا مشاہدہ کر چکا تھا جہاں اسے بابر جیسا حکمران وزیروں
شیروں کے ہاتھوں مجبورِ محض نظر آیا۔

مرکزی اداروں میں استحکام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ جو دوسرے انتظامی اقدامات
ان میں زیادہ اہم یہ تھے۔ تمام سلطنت کو ۴۷ یا ایک اور رائے کے مطابق ۶۸ سرکاروں
تسیم کیا اور ان میں سے ۱۹ سرکاریں صوبہ بنگال کی تھیں۔ بنگال کو ۱۹ سرکاروں میں تقسیم کرنے

کا مطلب یہ تھا کہ ۱۹ شقدارِ شقداراں، یعنی امن و امان قائم کرنے والے افسر بنگال پر شیر
کا تسلط قائم رکھیں۔ ان سب کے اوپر قاضی فضیلت کو مقرر کیا گیا تھا تاکہ سارے علاقے
نظم و نسق اور ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ بہرحال سرکار ہی سب سے بڑا انتظامی یونٹ تھ
اسے موجودہ دور کے ضلع سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ غالباً اس کا رواج شیر شاہ کے ذہن ک
اختراع تھی۔ سرکار کے دو بڑے افسر ہوتے تھے۔ منصفِ منصفاں اور شقدارِ شقدار
منصفِ منصفاں سول کا افسر تھا۔ مالیہ کی وصولی، زمینوں کے جھگڑے نپٹانا وغیرہ ا
کے اہم فرائض تھے اور شقدارِ شقداراں پولیس کا فوجی افسر تھا۔ اس کا سب سے بڑ
فرض سرکار میں امن و امان بحال کرنا تھا۔ سرکاریں پرگنوں پر مشتمل تھیں۔ پرگنوں کی ک
تعداد ایک لاکھ تیرہ ہزار ایک، دوسری رائے کے مطابق ایک لاکھ سولہ ہزار تھی۔ پرگنہ
اصطلاح شیر شاہ سے پہلے بھی رائج تھی۔ اسی انتظامی یونٹ کو آج کل کی تحصیل سے تشب
دی جا سکتی ہے۔ منصف یا امین۔ شقدار، خود دار (خزانچی) قانون گو ایک ہندی نویس
کارکن اور ایک فارسی نویس کارکن پرگنہ یا تحصیل کے اہم افسر تھے۔ پرگنے دیہات پر مشتمل
تھے۔ ہر پرگنہ میں تقریباً پندرہ دیہات ہوتے تھے۔ دیہہ یا گاؤں کا نظم و نسق چلانے ک
لیے چودھری، مقدم اور پٹواری ہوتے تھے۔ شیر شاہ کے انتظامی ڈھانچے میں دیہات کی
سطح کا نظم و نسق سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ دیہات کے تمام نظم و نسق کی ذمہ داری
چودھریوں اور مقدموں پر ڈال دی گئی تھی۔ امن و امان کے یہی لوگ ذمہ دار تھے۔ چوری
ڈاکہ اور قتل ایسی تمام وارداتوں کی ذمہ داری مقدموں پر عائد ہوتی تھی، اس کے متعلق
باقاعدہ اصول و ضوابط بنا دیے گئے تھے۔ اگر کسی گاؤں میں چوری ہو جاتی اور چور کا پتا
نہ چلتا تو چور سے چوری کا مال دریافت ہونے تک مقدموں کو اپنے پاس سے متاثرہ
لوگوں کا نقصان پورا کرنا ہوتا تھا اور جب مال مسروقہ دریافت ہو جاتا، اسے اصل مالکوں
کو واپس کر دیا جاتا تھا اور مقدموں کو ان کا اپنا مال واپس مل جاتا تھا۔ اگر چوری کی جائے

واردات مشتبہ ہوتی تو جن دیہاتوں کی حدود مشتبہ جائے واردات سے ملتی تھیں ان تمام دیہاتوں کے مقدموں کو شاملِ تفتیش کر لیا جاتا تھا، جب تک کہ چور پکڑ نہ لیے جاتے مقدموں کو نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ قتل کی واردات میں تو بہت زیادہ سختی ہوتی تھی۔ مقدموں کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ ہر حالت میں قاتل کو حکومت کے حوالے کریں۔ اگر مقررہ مدت کے دوران قاتل کو پیش نہ کر سکیں تو مقدموں کی گردن مارنے کا حکم تھا۔

عبداللہ نے تاریخ داؤدی میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اوٹاوہ کے دو دیہات کی مشترکہ سرحد پر ایک قتل ہو گیا۔ قاتل بھاگ گیا۔ دونوں دیہات کے مقدموں نے مشترکہ سرحد کی وجہ سے ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کی۔ سلطان کو دہلی میں پتا چلا، فوراً اپنے آدمی بھیجے جنھیں یہ حکم تھا کہ جائے واردات پر پہنچ کر درخت کاٹنا شروع کر دیں جو شخص مزاحمت کرے اسے پکڑ کر دربار میں حاضر کیا جائے۔ حسبِ حکم سلطان شیر شاہ کے آدمیوں نے درخت کاٹنا شروع کیا ہی تھا کہ نزدیکی گاؤں کا مقدم آکر پوچھنے لگا کہ وہ درخت کیوں کاٹ رہے ہیں؟ سکیم کے مطابق سرکاری آدمی اسے پکڑ کر دربار میں لے آئے۔ سلطان نے کہا تمھاری سرحد پر درخت کاٹا جائے تو تمھیں دکھ ہوتا ہے اور ایک انسان کی گردن کاٹی جائے تو تمھیں پتا نہ چلے۔ حکم ملا کہ مقدم کو گرفتار کیا جائے اور تین دن کے اندر اندر اگر قاتل کو پیش نہ کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔ مقدم کے رشتہ داروں نے وقتِ مقررہ کے اندر قاتل کو ڈھونڈ کر پیش کر دیا۔ اس طرح مقدم کی جان بچی۔ اس سختی کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔

کوچ کے وقت فوجیوں کو حکم تھا کہ وہ فصلوں کو تباہ نہ کریں، حکم عدولی کرنے والے کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ کاٹی ہوئی یا تباہ شدہ فصل حکم عدولی کرنے والے کے جسم میں سوراخ کر کے لگائی جاتی اور سرِعام تشہیر کی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کے سپاہی سفر و قیام میں فصلوں کی خود رکھوالی کرتے تھے، مزید برآں بڑے سے بڑا وزیر یا جرنیل بھی بازپرس یا سزا سے نہیں بچ

سکتا تھا۔ شجاعت خان حاکم مالوہ شیر شاہی دور کا عظیم جرنیل اور گورنر تھا۔ اس کے تحت دس ہزار سپاہ تھی۔ مرکز سے جو تنخواہ مقرر کی تھی اس میں دس بارہ ہزار سپاہ کا بھی حصہ تھا۔

شیر شاہ نے علاء الدین خلجی کی طرح فوج کو مرکز کے ماتحت کیا۔ داغ اور چہرہ کے اصول مقرر کیے۔ یہ اس برائی کا سدِ باب تھا جس کے مرتکب جاگیردار ہوتے تھے۔ وہ وقتِ ضرورت اِدھر اُدھر سے گھوڑے اور سوار اور پیادہ سپاہی اکٹھے کر کے مقابلے کے لیے آجاتے اور مرکزی حکومت سے معقول رقمیں ہتھیا کر کھا جاتے تھے۔ ظاہر ہے اس طرح فوج کی طاقت میں مستقل ضعف رہتا اور حکمرانوں کو ناکامی سے دوچار ہونا پڑتا۔ داغ اور چہرے کے اصولوں سے کوئی دھوکا نہیں ہو سکتا تھا۔ سپاہیوں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ فوجی اصلاحات سے شیر شاہ ایک مستحکم اور بہت بڑی فوج قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی کل فوج کا تو علم نہیں۔ البتہ مرکزی فوج جو براہِ راست شیر شاہ کے تحت تھی۔ اس کی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار سوار اور پچیس ہزار پیادے تھی۔ پانچ ہزار جنگی ہاتھی تھے۔ ملک میں دہلی، آگرہ، رہتاس رنتھمبور، چتوڑ، گوالیار، مالوہ، چنار ایسے شہروں میں بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ جن میں ہر ایک میں ہزاروں کی تعداد میں سوار، بندوقچی اور توپچی مقرر تھے۔ مثلاً قلعہ رہتاس جہلم کے نزدیک ہیبت خان نیازی کے تحت بیس ہزار فوج متعین تھی اور مالوہ میں شجاعت خان کے تحت دس بارہ ہزار فوج تھی، ان سب چھاؤنیوں میں تقریباً ایک لاکھ تیرہ ہزار فوج موجود تھی۔ ہیبت خان اور شجاعت خان جیسے لوگوں کو فوجی گورنروں کی حیثیت حاصل تھی۔ شیر شاہ فوجی گورنروں کے راج کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن بعض ناگزیر حالات کی بنا پر سرکاروں اور پرگنوں کے علاوہ آٹھ گورنریاں بھی تشکیل کرنا پڑیں۔ یاد رہے شیر شاہ کے عہد میں صوبے کا وجود نہیں تھا۔ صوبہ کی اصلاح مغل دور میں شروع ہوئی۔

تاجروں کی سہولت، فوجوں کی نقل و حرکت، سرکاری ڈاک کی آمد و رفت اور عوام کے آرام دہ سفر کے لیے شیر شاہ نے جو سڑکیں بنائیں، ان میں چار سڑکیں بہت مشہور ہیں۔

ایک سنار گاؤں (ڈھاکہ) سے لے کر قلعہ اٹک (دریائے سندھ) تک، تقریباً ۱۵۰۰ میل لمبی، دوسری آگرہ سے دکن کی سرحد برہان پور تک، تیسری آگرہ سے دھول پور اور چتوڑ تک اور چوتھی لاہور سے ملتان تک۔ ان سڑکوں پر دو رویہ سایہ دار درخت لگائے۔ ہر دو میل کے فاصلہ پر سرائے بنائی، سراؤں کی کل تعداد سترہ سو بتائی جاتی ہے۔ ہر سرا میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے کھانے اور پینے کا علیحدہ علیحدہ انتظام کیا۔ ہر سرا میں ایک کنواں بنایا گیا، ایک مسجد تعمیر کی گئی، مسجد میں مؤذن اور امام سرکاری خرچ پر مقرر کیے گئے علاوہ ازیں ہر سرا میں سرکاری افسر یعنی شحنہ اور چوکیدار ہوتے تھے۔ سرا کو بطور ڈاک بھی استعمال کیا جاتا تھا، ڈاک چوکی یا سرا میں دو سرکاری گھوڑے ہر وقت موجود ہوتے۔ تمام سراؤں میں کل ۱۷۰۰ × ۲ = ۳۴۰۰ گھوڑے تھے۔ سرکاری ڈاک فوراً ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھی۔ ایک دن میں تین تین سو میل کا سفر بھی طے ہو جاتا تھا۔ سڑکوں کی تعمیر سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔ دور دراز کے علاقوں کا مرکز سے رابطہ قائم ہو گیا۔ دارالسلطنت آگرہ کو مرکزیت حاصل ہو گئی۔ مسافر آرام سے سفر کرنے لگے۔ فوجی نقل و حرکت میں آسانی پیدا ہو گئی۔ تمام فوجی چھاؤنیاں ایک دوسرے سے مربوط ہو گئیں۔ وقتِ ضرورت فوج آسانی سے اکٹھی ہو جاتی تھی سرکاری حکام ایک جگہ سے دوسری جگہ بسہولت منتقل ہو سکتے تھے۔ خود سلطان کو دور دراز کا سفر کرنے میں آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ پھر تجارت کو فروغ ہوا۔ لوٹ مار کا خوف نہ رہا۔ بعض سرائیں تو تجارتی منڈیاں بن گئیں تھیں۔

ان تمام عمدہ اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی آبادی میں اضافہ ہوا اور رعایا خوش حال ہو گئی۔ شیر شاہ کے عہد میں غیر مسلموں یعنی ہندوؤں سے بھی رواداری برتی جاتی تھی۔ ان کو فوج میں بھی ملازمتیں دی گئی تھیں۔ بعض ہندوؤں کو فوج کا جرنیل بھی مقرر کیا گیا۔ ایک ہندو سپہ سالار برہم جیت گور بھی تھا، بندوقچی تقریباً سب ہندو تھے۔ سول میں بھی ہندوؤں کو اہم منصب حاصل تھے، اس ضمن میں کوڈر مل کھتری کا نام خاص طور پر مشہور ہے

قلعۂ رہتاس اسی کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ مالی اصلاحات گنہی کی نگرانی میں نافذ کی گئی تھیں۔ دیہات کی سطح پر مقدم اور چودھری زیادہ تر ہندو ہی تھے۔

شیر شاہ نماز، روزے اور شرع کا پابند تھا۔ علما اور مشائخ کا قدر دان تھا، اس کا بہت سا وقت عبادت میں گزرتا۔ تین پہر رات ہوتی تو بستر سے اُٹھ جاتا، غسل کرتا اور تہجد پڑھتا، پھر مختلف دفاتر کا معائنہ کرتا، فجر کے وقت نئے سرے سے وضو کر کے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا، بعد ازاں فوجوں کا معائنہ کرتا، حاجت مندوں کی فریادیں سنتا، پھر نماز اشراق پڑھتا۔ اس کی عدالتوں میں شریعت کے مطابق مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے اور وہ باقاعدہ ہندوؤں سے جزیہ وصول کرتا تھا۔ غرض سولھویں صدی عیسوی میں وہ برصغیر کا ایک متدیّن، رعایا پرور اور بہادر بادشاہ تھا۔

مآثرِ لاہور

از سیّد ہاشمی فرید آبادی

سیّد ہاشمی فرید آبادی بحیثیت ایک مورخ کے محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کی یہ کتاب غزنوی دَور تک کے لاہور کی تاریخ ہے۔ لاہور پاکستان کا مشہور ثقافتی و علمی مرکز ہے اور ہمیشہ سے علم و سیاست کا گہوارہ رہا ہے۔ اس سرزمین سے بلند پایہ شاعر، ادیب، اصحابِ علم اور اربابِ سیف پیدا ہوتے رہے ہیں۔ کتاب کے پہلے حصے میں اربابِ سیف و سیاست اور قدیم لاہور کے والیوں کا تذکرہ ہے اور دوسرا حصہ صاحبانِ علم و قلم لاہور کے مشائخ و علما اور مصنفین و شعرا کے متعلق ہے۔

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور